ارسطو کے تصور المیہ کی روشنی میں میر انیس کے ایک مرثیے ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' کا تجزیہ

رانا غلام یٰسین*

Abstract:

This article is about one elege (marsia) of Mir Anis "Jab qata ke musafat-e-shab aftab ney" is the context of Aristotle's ideas about tragedy. The concept of plot, character and other paradigm of tragedy have been used to evaluate this elege.

ارسطو: مختصر سوانح

ارسطو 384 ق م یونان کے ایک چھوٹے سے قصبے سٹاگرہ میں پیدا ہوا والد کا نام نکومیکس تھا جو سکندر اعظم کے دادا امنٹاس کا ذاتی معالج تھا والدہ کا نام فالیس تھا (۱) لڑکپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا اور ایک قریبی بزرگ نے سترہ سال کی عمر تک ارسطو کی سرپرستی کی جس کا نام پروکی نکس تھا (۲) سترہ سال کی عمر میں ارسطو ایتھنز آیا اور 368 ق م میں افلاطون کی اکیڈمی میں داخل ہوا (۳) ارسطو اپنی لیاقت کے باعث افلاطون کا منظور نظر بن گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں فلسفہ پر عبور حاصل کر لیا ارسطو کی کتابوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں اس نے لائبریری بنا رکھی تھی اسی بنا پر افلاطون اس کے گھر کو دارالقاری کہا کرتا تھ (۴) وہ افلاطون کی اکیڈمی میں 20 برس تک رہا اور سیا

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج جام پور، ضلع راجن پور

سیات، حیاتیات الٰہیات، اخلاقیات کے علوم میں بے پناہ شہرت حاصل کی افلاطون اسے ''عاقل'' کے نام سے پکارتا تھا۔ 347 ق م میں افلاطون کے انتقال کے بعد ارسطو اٹارنس میں ہرمیاز کے دربار سے منسلک ہوا اور اس کی بھتیجی ''پی تھی رس'' سے شادی کر لی (۵) 342ء ق م میں سکندر اعظم کا اتالیق مقرر ہوا اور پانچ برس تک اسے مختلف علوم پڑھائے (۶) سکندر کے بادشاہ بننے کے بعد ارسطو نے اس کی رہنمائی کے لئے تین مقالے "On Closesis of Kingship" کے نام سے تحریر کیئے (۷)

334 ق م میں ارسطو نے لائسیم کے مقام پر ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو'' مکتبہ شاہین'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ارسطو بارہ سال تک اس کا سربراہ رہا (۸)۔ اس دوران ارسطو نے تحقیق و تخلیق کا کام سائنسی اور فلسفیانہ نظریات کی تشریح و تصیح کی اسے حیوانیات اور منطق کا بانی سمجھا جاتا ہے (۹) ارسطو نے 332 ق م میں 63 برس کی عمر میں وفات پائی (۱۰)

ارسطو کا تصور المیہ

ارسطو نے اپنے تصور المیہ میں اپنے استاد افلاطون کے اس الزام کی تردید کی کہ شاعری لوگوں پر غیر اخلاقی اثر ڈالتی ہے۔ ارسطو فلسفی ہونے کے ناطے ہر نظریے پر بحث کرتے ہوئے تجزیاتی اور منطقی طریقہ کار اختیار کرنے کا عادی تھا اس لیئے اس نے ادب کی ماہیت اور شاعری پر رائے دینے کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اس نے اس دور کے بڑے بڑے فن پاروں اور مختلف اضاف کا تجزیہ کیا ان کے محاسن و معائب بیان کئے شعر و شاعری پر اس کی لکھی گئی تصنیف کا نام ''بوطیقا'' ہے بقول سجاد باقر رضوی ''بوطیقا کا رسالہ توقع سے زیادہ مختصر ہے اس میں کل چھبیس ابواب ہیں اس کے اختصار کے بارے میں ایک عام خیال یہ ہے کہ اس کا دوسرا حصہ جو ارسطو نے ''طربیہ'' پر لکھا تھا گم ہو گیا ہے اور وہ ابواب بھی جس میں اس نے تصور ''تزکیہ نفس'' کی تشریح کی ہو گی اب موجود نہیں ہیں اس رسالے میں شاعری کے بارے 34 ق م میں سکندر اعظم کا اتالیق مقرر ہوا اور پانچ برس تک اسے مختلف علوم پڑھائے (۶) سکندر کے بادشاہ بننے کے بعد ارسطو نے اس کی رہنمائی کے لئے تین مقالے "On Closesis of Kingship" کے نام سے تحریر کیئے (۷)

334 ق م میں ارسطو نے لائسیم کے مقام پر ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو'' مکتبہ شاہین'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ارسطو بارہ سال تک اس کا سربراہ رہا (۸)۔ اس دوران ارسطو نے تحقیق و تخلیق کا کام سائنسی اور فلسفیانہ نظریات کی تشریح و تصیح کی اسے حیوانیات اور منطق کا بانی سمجھا جاتا ہے (۹) ارسطو نے 332 ق م میں 63 برس کی عمر میں وفات پائی (۱۰)

ارسطو کا تصور المیہ

ارسطو نے اپنے تصور المیہ میں اپنے استاد افلاطون کے اس الزام کی تردید کی کہ شاعری لوگوں پر غیر اخلاقی اثر ڈالتی ہے۔ ارسطو فلسفی ہونے کے ناطے ہر نظریے پر بحث کرتے ہوئے تجزیاتی اور منطقی طریقہ کار اختیار کرنے کا عادی تھا اس لیئے اس نے ادب کی ماہیت اور شاعری پر رائے دینے کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اس نے اس دور کے بڑے بڑے فن پاروں اور مختلف اصناف کا تجزیہ کیا ان کے محاسن و معائب بیان کئے شعر و شاعری پر اس کی لکھی گئی تصنیف کا نام ''بوطیقا'' ہے بقول سجاد باقر رضوی ''بوطیقا کا رسالہ توقع سے زیادہ مختصر ہے اس میں کل چھبیس ابواب ہیں اس کے اختصار کے بارے میں

ایک عام خیال یہ ہے کہ اس کا دوسرا حصہ جو ارسطو نے ''طربیہ'' پر لکھا تھا گم ہو گیا ہے اور وہ ابواب بھی جس میں اس نے تصور ''تزکیہ نفس'' کی تشریح کی ہو گی اب موجود نہیں ہیں اس رسالے میں شاعری کے بارے میں مختصر خیالات کا اظہار ملتا ہے ان کے علاوہ نصف سے زیادہ حصہ ''المیہ'' کے بیان میں ہے''[11]

ارسطو اپنے تصور المیہ کی وضاحت کیلئے سب سے پہلے المیہ کی تعریف بتا تا ہے وہ لکھتا ہے:

> ''المیہ ایک سنجیدہ اور مکمل عمل کی ایسی نقل ہے جو مناسب ضخامت رکھتی ہے یہ نقل مزین زبان میں پیش کی جاتی ہے اور تزئین زبان کی یہ صورتیں اپنے مشتملات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں اور ان سے حظ حاصل ہوتا ہے یہ بیانیہ کے مقابلے میں عملی مقاصد رکھتی ہے یہ رحم اور خوف کے جذبات بھڑکا کر مماثل جذبات کی اصلاح کرتی ہے''[12]

اس تعریف میں ارسطو نے سنجیدہ اور مکمل عمل کی نقل اتارنے کا ذکر ہے۔ زندگی میں ہمیں بے شمار واقعات پیش آتے ہیں ان کے محرکات مختلف یعنی داخلی، خارجی، ذہنی، قلبی، نفسیاتی ہو سکتے ہیں اب یہ سارے واقعات ہمارے لیئے یکساں اہمیت نہیں رکھتے کچھ واقعات ہم فوراً بھول جاتے ہیں اور کچھ کو مرتے وقت تک یاد رکھتے ہیں۔ اس لیے ''المیہ'' کے لیئے ضروری ہے کہ ایسے واقعے کی نقل ہو کہ جس سے آدمی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اب مصنف جس ''عمل'' کی نقل اتار رہا ہے وہ عمل فنی تنظیم پر مشتمل ہو ارسطو کہتا ہے۔

''المیہ میں ابتدا، وسط اور انتہا ہونی چاہیے''[13] المیہ کی تعریف کرنے کے بعد ارسطو المیہ کے عناصر کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ عابد صدیق کے مطابق

''ا۔ روئداد (پلاٹ) یا واقعات کا ڈھانچہ

۲۔ کردار، جس سے ہم لوگوں کی مختلف سیرتوں کو پہچانتے ہیں۔

۳۔ زبان اور مناسب الفاظ کا انتخاب، جس کے ذریعے ان کرداروں کے خیالات اظہار پاتے ہیں۔

۴۔جذبات (یا احساسات وتاثرات) جوان میں روح کی طرح رواں ہوتے ہیں۔
۵۔سٹیج، جس پر پیش کش کی جاتی ہے۔
۶۔موسیقی اور نغمات، جو ساتھ ساتھ چلتے ہیں''[۱۴]

ان عناصر میں ارسطو سب سے زیادہ اہمیت پلاٹ کو دیتا ہے یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد المیہ کے باقی عناصر نشو و نما پاتے ہیں اور مجتمع ہوتے ہیں پلاٹ المیہ کی روح ہے کیونکہ پلاٹ المیہ کو اس طرح داخلی معنویت اور حقیقت عطا کرتا ہے جس طرح روح بدن کو عطا کرتی ہے، پلاٹ کے بارے میں ارسطو کے نظریات کچھ یوں ہیں۔

پلاٹ

پلاٹ المیہ میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے ارسطو بنیادی طور پر المیہ کو انسانوں کی تقلید قرار نہیں دیتا بلکہ انسانی عمل کی تقلید یا نقل قرار دیتا ہے اس لیئے پلاٹ ہی انسانی اعمال کا مرکز ہوتا ہے۔اس لئے پلاٹ کو منظّم ہونا چاہیے پلاٹ میں کوئی سنجیدہ واقعہ ہونا چاہیے جو تاثر چھوڑے پلاٹ کیلیئے وہ سب سے پہلا اصول اسکی وحدت قرار دیتا ہے۔
عابد صدیق کے مطابق

''پلاٹ کی سب سے پہلی ضرورت اس کی وحدت ہے جس طرح نقل کے باقی فنون میں ایک نقل صرف ایک ہی چیز کی نقل ہوتی ہے اس طرح پلاٹ۔ جو کہ ایک عمل کی نقل ہوتا ہے۔کو ایک سالم (one and whole) عمل کی نقل ہونا چاہیے اور اس کے مختلف واقعات آپس میں اس طرح مربوط ہونے چاہیے کہ اگر کسی ایک جزئی واقعہ کو بدل دیا جائے یا ہٹا دیا جائے تو پورا پلاٹ کا ڈھانچہ ان عناصر میں ارسطو سب سے زیادہ اہمیت پلاٹ کو دیتا ہے یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد المیہ کے باقی عناصر نشو و نما پاتے ہیں اور مجتمع ہوتے ہیں پلاٹ المیہ کی روح ہے کیونکہ پلاٹ المیہ کو اس طرح داخلی معنویت اور حقیقت عطا کرتا ہے جس طرح روح بدن کو عطا کرتی ہے، پلاٹ کے بارے میں ارسطو کے نظریات کچھ یوں ہیں۔

پلاٹ

پلاٹ المیہ میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے ارسطو بنیادی طور پر المیہ کو انسانوں کی تقلید قرار نہیں دیتا بلکہ انسانی عمل کی تقلید یا نقل قرار دیتا ہے اس لیئے پلاٹ ہی انسانی اعمال کا مرکز ہوتا ہے۔اس لئے پلاٹ کو منظّم ہونا چاہیے پلاٹ میں کوئی سنجیدہ واقعہ ہونا چاہیے جو تاثر چھوڑے پلاٹ کیلیئے وہ سب سے پہلا اصول اسکی وحدت قرار دیتا ہے۔
عابد صدیق کے مطابق

''پلاٹ کی سب سے پہلی ضرورت اس کی وحدت ہے جس طرح نقل کے باقی فنون

میں ایک نقل صرف ایک ہی چیز کی نقل ہوتی ہے اس طرح پلاٹ۔ جو کہ ایک عمل کی نقل ہوتا ہے۔ کو ایک سالم (one and whole) عمل کی نقل ہونا چاہیے اور اس کے مختلف واقعات آپس میں اس طرح مربوط ہونے چاہیے کہ اگر کسی ایک جزئی واقعہ کو بدل دیا جائے یا ہٹا دیا جائے تو پورا پلاٹ کا ڈھانچہ تبدیل اور غیر متوازن ہو جائے'' ۱۵

ارسطو لکھتا ہے

''ایک اچھے منظّم پلاٹ کو نہ تو بے ترتیبی سے شروع ہونا چاہیے اور نہ ختم'' ۱۶

پلاٹ کو ایک خاص طوالت کا حامل ہونا چاہیے جس میں عمل کے آغاز ہونے اور ارتقاء کرتے کرتے اپنے فنی انجام تک پہنچنے کا موقع مل سکے لیکن اتنا طویل بھی نہیں کہ اکتاہٹ محسوس ہو ارسطو کہتا ہے

''حسن کی بنیاد ایک مناسب طوالت اور تنظیم و ترتیب پر ہے'' ۱۷

ارسطو طوالت کی حد کے بارے میں لکھتا ہے

''جہاں تک ممکن ہو المیہ سورج کی ایک گردش (24) گھنٹے تک محدود رہتا ہے یا پھر اس حد سے محض تھوڑا سا تجاوز کرتا ہے'' ۱۸

پلاٹ مکمل ہونا چاہیے اور اس کی ساخت میں نظم و ضبط اور ارتباط ہو اور ارسطو کہتا ہے۔

''المیہ میں ابتداء، وسط اور انتہا ہونی چاہیے'' ۱۹

ابتداء وہ ہے جس سے پہلے کچھ نہیں آتا ہر چیز اس کے بعد آتی ہے وسط وہ ہے جو کسی چیز کے بعد آتا ہے اور اسکے بعد بھی کوئی چیز آتی ہے انتہا وہ ہے جس سے پہلے کچھ ہو اور بعد میں کچھ نہ ہو۔

ارسطو کے مطابق پلاٹ سادہ بھی ہو سکتے ہیں اور پیچیدہ بھی۔ اگر پلاٹ ایک کل کی حیثیت سے متصل چلتا جائے اور ہیرو کی قسمت میں انقلاب و انکشاف کے بغیر تبدیلی آئے تو پلاٹ سادہ کہلائے گا اور اگر پلاٹ میں انقلاب و انکشاف دونوں ہوں یا ان میں سے ایک ہو تو پلاٹ پیچیدہ کہلائے گا۔ ارسطو کے خیال میں بہترین المیہ کیلئے پلاٹ پیچیدہ ہونا چاہئے جو خوف اور رحم کے جذبات کو ابھارے۔

''اثر کے وسائل کے لحاظ سے وہ پلاٹ کے تین حصے کرتا ہے انقلاب حالات، انکشاف اور اذیتی تجربہ'' ۲۰

انقلاب حالات سے مراد ایسی تبدیلی حالات جو خود اپنے مقاصد کے خلاف نتائج پیدا کرے ارسطو لکھتا ہے۔

''سب سے زیادہ ترحم خیز وہ صورت حال ہوتی ہے جس میں اس ذریعے سے برے نتائج برآمد ہوں جس سے اچھے نتائج کی توقع ہو'' ۲۱

ارسطو کے نزدیک انکشاف کی پہلی قسم میں اشاروں اور نشانیوں سے انکشاف کیا جاتا ہے دوسرے قسم کے انکشاف

شاعر خود گھڑتا ہے تیسری قسم کے انکشاف حافظے کے ذریعے ہوتے ہیں اور چوتھی قسم عقل و دلیل کا نتیجہ ہوتی ہے پانچویں قسم جو لوگوں کی غلط بحث کا نتیجہ ہو اور چھٹی قسم جو قرین قیاس واقعات کا نتیجہ ہو ارسطو کے نزدیک آخری انکشاف سب سے بہتر ہے[۲۲]

اذیتی تجربہ میں ہیرو مصیبت اور ہولناک انجام سے گزرتا ہے۔

کردار:

رسطو کے خیال میں بہترین المیہ کیلئے پلاٹ پیچیدہ ہونا چاہئے جو خوف اور رحم کے جذبات کو ابھارے۔

''اثر کے وسائل کے لحاظ سے وہ پلاٹ کے تین حصے کرتا ہے انقلاب حالات، انکشاف اور اذیتی تجربہ''[۲۰]

انقلاب حالات سے مراد ایسی تبدیلی حالات جو خود اپنے مقاصد کے خلاف نتائج پیدا کرے ارسطو لکھتا ہے۔

''سب سے زیادہ ترحم خیز وہ صورت حال ہوتی ہے جس میں اس ذریعے سے برے نتائج برآمد ہوں جس سے اچھے نتائج کی توقع ہو''[۲۱]

ارسطو کے نزدیک انکشاف کی پہلی قسم میں اشاروں اور نشانیوں سے انکشاف کیا جاتا ہے دوسرے قسم کے انکشاف شاعر خود گھڑتا ہے تیسری قسم کے انکشاف حافظے کے ذریعے ہوتے ہیں اور چوتھی قسم عقل و دلیل کا نتیجہ ہوتی ہے پانچویں قسم جو لوگوں کی غلط بحث کا نتیجہ ہو اور چھٹی قسم جو قرین قیاس واقعات کا نتیجہ ہو ارسطو کے نزدیک آخری انکشاف سب سے بہتر ہے[۲۲]

اذیتی تجربہ میں ہیرو مصیبت اور ہولناک انجام سے گزرتا ہے۔

کردار:

ارسطو کے المیہ کا دوسرا عنصر کردار ہے ارسطو کے مطابق کردار میں یہ چار خوبیاں ہونی چاہئیں

۱۔ کردار کو نسبتاً اچھا ہونا چاہیئے

۲۔ مناسب اور موزوں ہونا چاہیے

۳۔ کسی خاص قسم (typical) کا ہونا چاہیے

۴۔ باوضع ہونا چاہیے[۲۳]

المیے کا ہیرو ایک ایسا شخص ہونا چاہیے جو گو بہت اچھا اور نیک نہ ہو مگر اس میں اوسط درجے کی خوبیاں ضرور ہوں اس کے مصائب اس کی برائیوں کا نتیجہ نہ ہوں بلکہ اس کے کسی غلط فیصلے کی بناء پر ہوں المیے کا ہیرو کوئی اعلیٰ مرتبہ کی شخصیت ہو کیونکہ اس کا المناک انجام زیادہ تاثر پیدا کرے گا یعنی ترحم اور خوف کے جذبات پیدا کرے گا۔

زبان:

المیہ کی زبان کے سلسلے میں بھی ارسطو نے بڑے اہم نکات بڑے مدلل انداز میں پیش کئے ہیں وہ کہتا ہے کہ المیہ کی زبان میں عامیہ پن نہیں ہونا چاہیے الفاظ غیر مانوس، خوبصورت اور تحیر آمیز ہوں ارسطو الفاظ کی اقسام گنواتے ہوئے لکھتا ہے

> ''ایک قسم کے الفاظ وہ ہوتے ہیں جو روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں پھر لفظوں کی وہ قسم ہے جس میں بیرونی الفاظ، عوام الناس کی بولیوں کے الفاظ اور نو ساختہ الفاظ آتے ہیں بعض الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوتے ہیں اور بعض حسن کلام کے طور پر سب سے آخری قسم متروک الفاظ کی ہے جو ہمیں ورثے میں ملتے ہیں'' [۲۴]

الفاظ کے استعمال کے بارے میں ارسطو لکھتا ہے

> ''غیر مانوس لفظوں کا استعمال بڑی احتیاط سے ہونا چاہیئے اگر غیر مانوس لفظوں کا بے عمل استعمال ہو یا استعاروں کی بھر مار ہو تو ایسی زبان لفظوں کا ملغوبہ بن کر رہ جائے گی۔ شاعرانہ زبان نہیں ہوگی'' [۲۵]

ارسطو مزید کہتا ہے

> ''مرکب الفاظ حمدیہ اور غنائیہ نظموں کے مزین اسلوب کے لئے موزوں ہیں اور غیر مانوس الفاظ رزمیہ نظموں کے لئے مناسب ہیں ڈرامائی نظم میں جس کا وزن عام بول چال سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے استعاروں کا استعمال ہونا چاہیے'' [۲۶]

زبان کی تزئین کے حوالے سے ارسطو سب سے زیادہ استعارہ کو فوقیت دیتا ہے وہ لکھتا ہے

> ''استعارے کے صلاحیت کیسی نہیں ہوتی۔ یہ اختراعی ذہن کی نشانی ہوتی ہے اس لئے کہ اچھے استعاروں کے اختراع کے لئے مشابہتیں دیکھنے والی نظر درکار ہوتی ہے'' [۲۷]

خیال / جذبات

یئے اگر غیر مانوس لفظوں کا بے عمل استعمال ہو یا استعاروں کی بھر مار ہو تو ایسی زبان لفظوں کا ملغوبہ بن کر رہ جائے گی۔ شاعرانہ زبان نہیں ہوگی'' [۲۵]

ارسطو مزید کہتا ہے

''مرکب الفاظ حمدیہ اور غنائیہ نظموں کے مزین اسلوب کے لئے موزوں ہیں اور غیر مانوس الفاظ رزمیہ نظموں کے لئے مناسب ہیں ڈرامائی نظم میں جس کا وزن عام بول چال سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے استعاروں کا استعمال ہونا چاہیے'' [۲۶]

زبان کی تزئین کے حوالے سے ارسطوسب سے زیادہ استعارہ کوفوقیت دیتا ہے وہ لکھتا ہے

''استعارے کے صلاحیت کیسی نہیں ہوتی۔ یہ اختراعی ذہن کی نشانی ہوتی ہے اس لئے کہ اچھے استعاروں کے اختراع کے لئے مشابہتیں دیکھنے والی نظر درکار ہوتی ہے''۔ ۲۷

خیال / جذبات

ارسطو کے نزدیک خیال میں وہ سب اثرات شامل ہیں جو زبان سے پیدا ہوتے ہیں ان میں دلائل کا رد یا تصدیق، ترس خوف، رحم، غصہ وغیرہ کے جذبات کی صورت میں ہو سکتے ہیں۔

سٹیج اور موسیقی

ان عناصر پر ارسطو نے سرسری نظر ڈالی ہے۔ سٹیج اوراس کے لوازمات کا فن شاعری سے تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ موسیقی کے حوالے سے اس نے گواس پر تھوڑی سی بحث کی ہے اس سلسلے میں وہ غیر متعلق کو اسی کو المیہ میں شامل کرنے کی مذمت کرتا ہے۔

اس مرثیے میں ایک سوستانوے ّ۱۹۷) بند یعنی ۱۱۸۲ اشعار ہیں پورا مسدس ہموار اور مسلسل ہے۔ ارسطو نے تصور المیہ میں المیہ کے لئے پہلی بات جو ضروری قرار دی کہ واقعہ سنجیدہ ہونا چاہیے اس مرثیے کا موضوع ''امام حسین کی آخری جنگ'' ہے۔ امام عالی مقام کی آخری جنگ سے زیادہ سنجیدہ واقعہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس میں امام عالی مقام بے غرضی اور جاہ طلبی کے بغیر صرف حق وصداقت اور انسان کی شرف وعظمت کی بقا کے لئے جنگ کرتے ہیں اور یہ بلند قدری واقعہ کو منفرد اور ممتاز کرتی ہے۔ اس المیہ میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

صبح کے لطیف وذوق آفریں وقت میں امام نماز صبح کی تیاری کرتے ہیں اذاں ہوتی ہے۔ تیمّم کر کے نماز کا قیام ہوتا ہے اس کے بعد خیموں میں مستورات کا احوال دیکھتے ہیں۔ اہل خاندان کو ہدایات دیتے ہیں اس کے بعد حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے کر فوج کو تیاری کا حکم دیتے ہیں علم لینے کیلئے عون ومحمد بے چین ہوتے ہیں لیکن علم حضرت عباس کو عطا کیا جاتا ہے جس کے بعد خواتین اور سکینہ کے جذباتی مناظر پیش کئے ہیں۔ حضرت امام حسین اپنی فوج کو ہدایات دیتے ہیں اور باری باری اصحاب وعزہ اور اہل خاندان جام شہادت نوش کرتے ہیں یہاں تک کہ معصوم علی اصغر بھی شہید ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام حسین بڑی جرات اور صبر سے لاشوں کو اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام حسین اعلیٰ ظرفی ور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن سعد کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور یزیدی فوج سے خطاب کرتے ہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ آخر کار حضرت امام حسین میدان جنگ میں آتے ہیں بڑی بہادری سے لڑتے ہیں اور جام شہادت نوش کرتے ہیں۔

میر انیس کے قلم سے واقعہ کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں

صبح کے مناظر میر انیس نے بند نمبر ۱۱ سے بند نمبر ۲۲ تک بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے صبح کی جو متحرک اور روشن تصویر ان بندوں میں کھینچی ہے اسکی نظیر ملنا محال ہے ایک بند ملاحظہ ہے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

کو عطا کیا جاتا ہے جس کے بعد خواتین اور سکینہ کے جذباتی مناظر پیش کئے ہیں۔ حضرت امام حسین اپنی فوج کو ہدایات دیتے ہیں اور باری باری اصحاب وعزہ اور اہل خاندان جام شہادت نوش کرتے ہیں یہاں تک کہ معصوم علی اصغر بھی شہید ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام حسین بڑی جرات اور صبر سے لاشوں کو اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام حسین اعلیٰ ظرفی و راعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن سعد کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور یزیدی فوج سے خطاب کرتے ہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ آخر کار حضرت امام حسین میدان جنگ میں آتے ہیں بڑی بہادری سے لڑتے ہیں اور جام شہادت نوش کرتے ہیں۔

میر انیس کے قلم سے واقعہ کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں

صبح کے مناظر میر انیس نے بند نمبر ۱۱ سے بند نمبر ۲۲ تک بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے صبح کی جو متحرک اور روشن تصویر ان بندوں میں کھینچی ہے اسکی نظیر ملنا محال ہے ایک بند ملاحظہ ہے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہاں تھے گل گلشن زہرا جو آپ کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے [۲۸]

نماز کی تیاری ہوتی اذان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت زینب جب اذان سنتی ہے تو کہتی ہیں

یہ حسن صوت اور یہ قرات یہ شدو مد
حقا کہ افصح الفصحاہے انہیں کا جد
گویا ہے لحن حضرت داؤد با خرد
یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تاابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں ۲۹

وضو کیلئے پانی نہیں تیمّم کیا جاتا ہے لکھتے ہیں:۔

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب
پر تھی رخوں پہ خاک تیمّم سے طرفہ آب ۳۰

اس کے بعد نماز ہوتی ہے اور نماز سے فراغت کے بعد جوانان مصافحہ کے لئے آتے ہیں میر انیس لکھتے ہیں

کیا دل تھے کے سپاہ رشیدو سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی ۳۱

اس کے بعد خیموں کا حال دیکھتے ہیں اور فوج کو تیاری کا حکم دیتے ہیں

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام
تیار ادھر ہوا علم سید الانام ۳۲

علم تیار ہونے کے بعد عون و محمد علم لینا چاہتے ہیں اور ماں سے پوچھتے ہیں:۔

کیا مقصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا ۳۳

ماں انہیں سمجھاتی ہیں کہ تمہارے ننھے ہاتھ علم انہیں اٹھا سکتے بحث ہوتی ہے غزہ موتہ ہیں حضرت جعفر طیار اور خیبر میں حضرت علی کی علمبرداری کا تذکرہ ہوتا ہے اور آخر فیصلہ ہوتا ہے کہ علم حضرت عباس کو دیا جائے:۔

شوکت میں، قد میں، شان میں، ہم سر کوئی نہیں
عباس نام دار سے بہتر کوئی نہیں ۳۴
ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام
تیار ادھر ہوا علم سید الانام ۳۵

علم تیار ہونے کے بعد عون و محمد علم لینا چاہتے ہیں اور ماں سے پوچھتے ہیں:۔

کیا مقصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا ۳۳؎

ماں انہیں سمجھاتی ہیں کہ تمہارے ننھے ہاتھ علم انہیں اٹھا سکتے بحث ہوتی ہے غزہ موتہ ہیں حضرت جعفر طیار اور خیبر میں حضرت علی کی علمبرداری کا تذکرہ ہوتا ہے اور آخر فیصلہ ہوتا ہے کہ علم حضرت عباس کو دیا جائے:۔

شوکت میں، قد میں، شان میں، ہم سر کوئی نہیں
عباس نام دار سے بہتر کوئی نہیں ۳۴؎

جنگ شروع ہو جاتی ہے مختلف اصحاب وغیرہ میدان کارزار میں جاں نثار کرتے ہیں عون و محمد کی جنگ دیکھتے:۔

اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار
دونوں کے نیمچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی کا جو روکا سپر پہ وار
گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شکار
اتنے سوار قتل کئے تھوڑی ہی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں ۳۵؎

حضرت امام حسن کے بیٹے، حضرت علی اکبر، حضرت عباس نے جواں مردی سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور امام عالی مقام لاشیں اٹھاتے رہے لکھتے ہیں:۔

لاشے سبھوں کے سبط نبی خود اٹھا کے لائے
قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے ۳۶؎
لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
ڈوبی ہوئی خون میں نبی کی قبا تمام ۳۷؎

اس کے بعد حضرت امام حسین علی اصغر معصوم کو ہاتھوں پہ اٹھا کے لاتے ہیں جو پیاس سے نڈھال ہے اور دشمن سے پانی مانگتے ہیں لیکن ایک تیر آکر ان کے گلے میں لگتا ہے اور وہ شہید ہو جاتے ہیں میر انیس لکھتے ہیں:۔

مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردن صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی ۳۴؎

حضرت امام حسین کے تمام اقارب جب شہید ہو چکے تو آپ میدان میں آتے ہیں اور ابن سعد سے مکالمہ کرتے ہیں:۔

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب
بیعت جو کیجئے اب بھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب
دریاکو خاک جانتا ہے ابن بو تراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں

اس کے بعد حضرت امام حسین علی اصغر معصوم کو ہاتھوں پہ اٹھا کے لاتے ہیں جو پیاس سے نڈھال ہے اور دشمن سے پانی مانگتے ہیں لیکن ایک تیر آ کر ان کے گلے میں لگتا ہے اور وہ شہید ہو جاتے ہیں میر انیس لکھتے ہیں:۔

مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردن صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی ۳۸؎

حضرت امام حسین کے تمام اقارب جب شہید ہو چکے تو آپ میدان میں آتے ہیں اور ابن سعد سے مکالمہ کرتے ہیں:۔

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب
بیعت جو کیجئے اب بھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب
دریاکو خاک جانتا ہے ابن بو تراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آب بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں ۳۹؎

س کے بعد حضرت امام حسین جنگ کرتے ہیں میر انیس نے کئی بند اس لڑائی کی نقشہ کشی کی ہے اور قلم کے جوہر دکھائے ہیں ایک بند دیکھئے:۔

پھر تو یہ غل ہوا کہ رہائی حسین کی
اللہ کا غضب تھا لڑائی حسین کی
دریا حسین کا ہے ترائی حسن کی
دنیا حسین کی ہے خدائی حسین کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوح کا
اب رحم واسطہ علی اکبر کی روح کا ۴۰

اس کے بعد حسین کثیر فوج کے نرغے میں آجاتے ہیں تیر، تلوار، نیزے اور بھالے کے سینکڑوں زخم کھا کر جام شہادت نوش کر جاتے ہیں۔

ارسطو نے کہا تھا کہ المیہ مکمل ہونا چاہیے یعنی اس کا آغاز وسط اور انجام ہونا چاہیے میر انیس کے اس مرثیے کا آغاز صبح سے چند ساعت قبل ہوتا ہے اس سے پہلے رات ہے 10 بند انیس نے اس منظر پہ لکھے ہیں،

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخ بے حجاب نے ۴۱

وسط میں بڑے رقت انگیز مناظر ہیں جنگ وجدل، آہ وزاری اور شہادتیں وسط کا عروج دیکھیئے کہ

تلواریں برسیں صبح سے نصف الہنار تک
ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
نعرے نہ پھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی چمک
ڈھالوں دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمہ فوج ہو گیا ۴۲

اس وقت امام عالی مقام کی حالت دیکھئے:۔

اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو مجمع بہم نہ ہو ۴۳

اور اس المیہ کا انجام بھی ارسطو کو تصور المیہ کے مطابق ہے اس نے کہا تھا کہ انجام ایسا ہو جو ترحم اور خوف کے جذبات پیدا کرے اس المیہ کا انجام حضرت امام حسین کی شہادت پر ہوتا ہے اور اس شہادت سے سامعین میں دہشت اور ہمدردی کے جذبات ابھرتے ہیں اور جذبات کا:۔

کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
نعرے نہ پھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی چمک
ڈھالوں دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمہ فوج ہو گیا [۴۲]

اس وقت امام عالی مقام کی حالت دیکھئے:۔

اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو مجمع بہم نہ ہو [۴۳]

اور اس المیہ کا انجام بھی ارسطو کو تصور المیہ کے مطابق ہے اس نے کہا تھا کہ انجام ایسا ہو جو ترحم اور خوف کے جذبات پیدا کرے اس المیہ کا انجام حضرت امام حسین کی شہادت پر ہوتا ہے اور اس شہادت سے سامعین میں دہشت اور ہمدردی کے جذبات ابھرتے ہیں اور جذبات کا تنقیہ بھی کرتے ہیں اور گریہ وزاری کے بعد کچھ ایسا پیغام سکون دیتے ہیں جیسے ذہن سے الم کا ایک بار گراں اتر گیا ہو:۔

دنیا تمام اجڑ گئی ویرانہ ہوگیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا [۴۴]

ارسطو نے کہا کہ المیہ ایک خاص طوالت اور قدامت کا ہونا چاہیے تو میر انیس کا یہ مرثیہ (۱۹۷) بند اور (۵۹۱) اشعار ہیں اور واقعہ بھی مناسب طوالت رکھتا ہے اور ۱۹۷ بند بھی ضخیم ہیں ارسطو نے پلاٹ کے بارے میں کہا تھا کہ پلاٹ منظّم ہونا چاہیے اور اس میں وحدت ہونی چاہیے واقعات مربوط ہونے چاہیے اس مرثیے کے پلاٹ کا اگر ہم دیکھیں تو پلاٹ بڑا منظّم اور مربوط ہے اپنی طوالت کے باوجود تمام واقعات وحدت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں اور اگر کسی واقعہ کو حذف کر دیا جائے تو المیہ کا تصور ضائع ہو جائے گا۔ قیام نماز، مناجات، خیموں کا دورہ، علم کی تیاری، علم دینا، جنگ، لاشیں اٹھانے اتمام حجت کیلئے خطاب کرنا اور آخر کار جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا تمام واقعات میں وحدت ہے اور کسی واقعے کو حذف نہیں کیا جا سکتا، سارے واقعات ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ کینوس وسیع ہے اور واقعات کا تانا بانا بڑے عمدہ طریقے سے بنا گیا ہے۔

جہاں تک تاثیر کی بات ہے تو اس المیہ مرثیے کا انجام اتنا المناک ہے کہ سامعین میں ایک طرف تو ظالم کی دہشت کا خوف طاری ہوتا ہے پھر اتنی شہادتوں کے بعد اپنے ہیرو کے المناک انجام کے خوف سے بھی دوچار ہوتے ہیں اور شہادت کے بعد ان میں ترحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہ غبار دل اشکوں کی صورت میں نکلنے لگتا ہے۔ اشک فشانی اور گریہ وزاری کے بعد ان کے جذبات کا تنقیہ ہو جاتا ہے اور دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے یہی المیہ کا مقصد ہوتا ہے اور میر انیس کا یہ مرثیہ ارسطو کی اس مقصدیت پر بھی پورا اترتا ہے۔

جہاں تک المیہ کے ہیرو کا تعلق ہے تو ارسطو کے مطابق یہ مشاہیر میں سے ہونا چاہیے۔ حضرت امام حسینؓ صرف مشاہیر میں سے نہیں بلکہ باغ نبوت کے ایک پھول ہیں پھر ارسطو نے ہیرو کے لئے جو چار خوبیاں بتائی ہیں حضرت امام حسینؓ صرف ان کا مرقع ہی نہیں بلکہ بڑھ کر ہیں۔ ان کی پوری زندگی اور ان کی سیرت اخلاقی اقدار کی حامل ہیں وفا و حیا کا پیکر ہیں صبر و شکر کا مرقع ہیں دیانت، شرافت، خدمت، محبت اور ایثار کا سرچشمہ ہیں وہ جامع صفات کا نمونہ ہیں میر انیس کے ہیرو کی خصوصیات کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال ۴۵
خم گردنیں تھی سب کی خشوع و خضوع میں ۴۶
کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوش خصال ۴۷
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو ۴۸
جرار و بردبار سبک رو وفا شعار ۴۹
آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح ۵۰
بھاگو کہ شہر گونج رہا ہے ترائی میں ۵۱

ارسطو نے المیے کی زبان کے بارے میں کہا تھا کہ یہ مزین ہوں الفاظ کا انتخاب بہترین ہو تشبیہات اور استعارات سے کام لیا جائے اگر ہم انیس کے اس مرثیہ کی زبان دیکھیں تو وہ بھی کمال ہے اور ارسطو کی خواہش سے کہیں بڑھ کر الفاظ کے انتخاب کی جولانیاں نظر آتی ہیں سید مسعود حسین رضوی لکھتے ہیں کہ میر انیس:۔

> ''جو نازک سے نازک خیال دل میں پیدا ہو اور لطیف سے لطیف کیفیت طبیعت پر طاری ہو اسے لفظوں میں بیان کر دیں وہ جیسا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں اس کی مناسبت سے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی آواز، اپنے ربط باہمی اور اپنے معلقات معنوی سے اس خیال کی کامل ترجمانی کرتے ہیں'' ۵۲

مولانا حامد حسن قادری لکھتے ہیں:۔

''طرز بیان کی خوبصورتی میر انیس سے بہتر کسی اور شاعر میں نہیں ہے انیس کے مرثیوں کی کسی جلد کا اٹھا کر دیکھو حیران رہ جاؤ گے کہ جس بات کو بیان کرتے ہیں اس حسن وخوبی سے کہ اس سے بڑھ کر مصور میں نہیں آتی''[۵۳]

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں

''میر انیس کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح تر الفاظ ڈھونڈ لاتے ہیں''[۵۴]

مولانا حالی فرماتے ہیں

''اگرچہ میر انیس نے نظیرا کبرآبادی کو چھوڑ کر سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن خوش سلیقگی اور شائستگی کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے س لئے ان کے ہر لفظ اور ہر محاورہ کے آگے اہل زبان کو سر جھکانا پڑتا ہے''[۵۵]

ان کی زبان نے اس مرثیے کی معنویت، حسن ودلکشی اور اثر آفرینی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے انہیں زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے ان کے دامن میں الفاظ کا بے کراں خزانہ ہے استعارے اور کنایوں، تشبیہوں کا سمندر ہے الفاظ کی برجستگی، مضمون آفرینی اور بلاغت سے ان کا مرثیہ مزین ہے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
پیدا تنوں سے پیر ہن یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پرہیزگار و زاہد ابرارو نیک خو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں

ان کی زبان نے اس مرثیے کی معنویت، حسن ودلکشی اور اثر آفرینی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے انہیں زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے ان کے دامن میں الفاظ کا بے کراں خزانہ ہے استعارے اور کنایوں، تشبیہوں کا سمندر ہے الفاظ کی برجستگی، مضمون آفرینی اور بلاغت سے ان کا مرثیہ مزین ہے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
پیدا تنوں سے پیر ہن یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پرہیزگار و زاہد ابرارو نیک خو

پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں۵٦

صبح کا منظر بیان کرتے ہوئے الفاظ کا انتخاب اور تشبیہ و استعارات دیکھیے

ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پر قطرہ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا ساوہ فضا
دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل وہ نالہ مرغان خوشنوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پر جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھناوہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے۵۷

حضرت امام حسین کی تیغ آب دار کے جوہر بیان کرتے ہوئے لفظوں کا انتخاب اور تشبیہ و استعارہ کا استعمال دیکھئے۔

اللہ ری تیزی و برش، اس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی

پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی

''اگرچہ میر انیس نے نظیرا کبرآبادی کو چھوڑ کر سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن خوش سلیقگی اور شائستگی کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے س لئے ان کے ہر لفظ اور ہر محاورہ کے آگے اہل زبان کو سر جھکانا پڑتا ہے'' ۵۵

ان کی زبان نے اس مرثیے کی معنویت، حسن و دلکشی اور اثر آفرینی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے انہیں زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے ان کے دامن میں الفاظ کا بے کراں خزانہ ہے استعارے اور کنایوں، تشبیہوں کا سمندر ہے الفاظ کی برجستگی، مضمون آفرینی اور بلاغت سے ان کا مرثیہ مزین ہے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
پیدا تنوں سے پیر ہن یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پرہیزگار و زاہد ابرارو نیک خو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں ۵۶

صبح کا منظر بیان کرتے ہوئے الفاظ کا انتخاب اور تشبیہ و استعارات دیکھیے:۔

ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پر قطرہ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا ساوہ فضا
دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل وہ نالہ مرغان خوشنوا

سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے
وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پر جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے[۵۷]

حضرت امام حسین کی تیغ آب دار کے جوہر بیان کرتے ہوئے لفظوں کا انتخاب اور تشبیہ و استعارہ کا استعمال دیکھئے۔

اللہ ری تیزی و برش، اس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی

بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے[۵۷]

حضرت امام حسین کی تیغ آب دار کے جوہر بیان کرتے ہوئے لفظوں کا انتخاب اور تشبیہ و استعارہ کا استعمال دیکھئے۔

اللہ ری تیزی و برش، اس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی

خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پر چڑھتی اترتی تھی

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا
گویا جگر میں موت کا ناخن فر و ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا
جو اس کے منہ پر آگیا بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہوگئے تھے اس کی آنچ سے ۵۸؎

یہ الفاظ اور زبان و بیان یقیناً قاری یا سامع کے دل پہ ایک تاثیر چھوڑتا ہے اس مرثیے میں اسکی بے پناہ مثالیں ہیں عون ومحمد کے گھوڑوں کے لئے حضرت زینب کے جذبات، علی اکبر، حضرت عباس کی جنگ کے بندوں میں زبان و بیاں اور ضائع بدائع، علم بیان کا خوبصورت مرقع موجود ہے۔

ارسطو نے المیے میں جذبات کو بھی اہم قرار دیا اور سٹیج کا بھی سرسری ذکر کیا اس مرثیے میں جذبات نگاری عروج پر ہے۔ یہ جذبات کرداروں کے مکالموں کے ذریعے میر انیس نے اجاگر کئے ہیں اور بعض مکالموں سے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے مکالمہ نگار سٹیج پر موجود ہوں مکالموں میں جذبات نگاری کو میر انیس نے اس طرح پرویا ہے کہ غم، نفسیات اور صنف کا خیال رکھا ہے یہ مکالمہ دیکھئے جو شدت جذبات سے معمور ہے حضرت امام حسین قیادت کے لئے تیار کھڑے ہیں علم تیار ہے عون ومحمد علم کے نیچے کھڑے ہیں وہ ماں اور ماموں کی محبت سے سرشار اور بے نیازی کے لئے تیار ہیں وہ علم لینا چاہتے ہیں میر انیس لکھتے ہیں

گہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثار شہ امم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا مقصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے کا علم نانا جان کا

حضرت زینب پیار بھرے غصے سے فرماتی ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمہیں اس سے کیا ہے کام
کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام

نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثار شہ امم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا مقصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے کا علم نانا جان کا

حضرت زینب پیار بھرے غصے سے فرماتی ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام
کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام
بگڑوں کو جو لو گے زبان سے علم کا نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے تم یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے
سر کو ہٹو، بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم میرے حواس
بس قابل قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے پھر جو برا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچنے کے سوا اور کیا کہوں

حضرت امام حسینؓ نے گفتگو سنی تو فرمایا

زینب کے پاس آکے یہ بولے شہ زمن
کیوں تم نے دونوں بیٹیوں کی باتیں سنی بہن
شیروں کے شیر عادل و جرار و صف شکن
زینب وحید عصر ہیں یہ دونوں گل بدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں

تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں
نو دس برس کے سن میں یہ جرات یہ ولولے
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیوں گا ان کے نہ قدموں سے منہ ملے
کس گود میں بڑے ہوئے کس درد سے پلے
بیشک یہ ورثہ وار جناب امیر ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

حضرت زینبؓ جواب دیتی ہیں

بولی بہن کی آپ بھی تو لیں کسی کا نام
نو دس برس کے سن میں یہ جرات یہ ولولے
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیوں گا ان کے نہ قدموں سے منہ ملے
کس گود میں بڑے ہوئے کس درد سے پلے
بیشک یہ ورثہ وار جناب امیر ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

حضرت زینبؓ جواب دیتی ہیں

ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآن کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسمان مقام
شوکت میں قد میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں۵۹

یہ مکالمہ آگے بڑھتا ہے اور اس میں زوجہ حضرت عباسؓ، سکینہ اور دوسرے اہل خاندان بھی شامل ہو جاتے ہیں اسی طرح حضرت امام حسینؓ کا ابن سعد سے مکالمہ میں بھی میر انیس نے جو ہر دکھائے ہیں جذبات کا ایک اور منظر ملاحظہ ہو

شہ کے قدم پہ زینب زار و حزیں گری
بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اجڑا چمن ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کے گھر سے جنازہ نکل گیا ۶۰ے

اسی طرح حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر جذبات دیکھئے:۔

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یا صدا
امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
انیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر
پردہ الٹ کے بنت علیؑ نکلی ننگے سر
لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرق خون جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اے کربلا بتا، ترا مہمان ہے کدھر
اساں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
انیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر
پردہ الٹ کے بنت علیؑ نکلی ننگے سر
لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرق خون جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر

اے کربلا بتا، ترا مہمان ہے کدھر
اساں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دولاش پر مرے بازو کو تھام کے ۶۱

حوالہ جات

۱۔ شاہد مختار، ارسطو، شاہد پبلشرز، چوبرجی سنٹر ملتان، تاریخ ندارد، ص ۹
۲۔ ایضاً
۳۔ ایضاً، ص ۱۰
۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً، ص ۱۱
۶۔ ایضاً، ص ۱۲
۷۔ ایضاً
۸۔ ایضاً، ص ۱۴
۹۔ ایضاً
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳
۱۱۔ سجاد باقر رضوی، مغرب کے تنقیدی اصول، اظہار سفر، لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۱، ص ۵۴
۱۲۔ وارسفولڈ، تنقید کے اصول، بحوالہ، افلاطون سے ایلیٹ تک، عابد صدیق، امجد بک ڈپو، لاہور، ۱۹۸۴، ص ۶۲
۱۳۔ مغرب کے تنقیدی اصول، ص ۶۸
۱۴۔ افلاطون سے ایلیٹ تک، ص ۲۳
۱۵۔ ایضاً
۱۶۔ مغرب کے تنقیدی اصول، ص ۷۳
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ایضاً، ص ۷۶
۱۹۔ ایضاً، ص ۶۸
۲۰۔ افلاطون سے ایلیٹ تک، ص ۶۵
۲۱۔ مغرب کے تنقیدی اصول، ص ۷۸
۲۲۔ ارسطو، ص ۷۴
۲۳۔ افلاطون سے ایلیٹ تک، ص ۲۵
۱۶۔ مغرب کے تنقیدی اصول، ص ۷۳
۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً،ص ۶۷

۱۹۔ ایضاً،ص ۶۸

۲۰۔ افلاطون سے ایلیٹ تک،ص ۶۵

۲۱۔ مغرب کے تنقیدی اصول،ص ۸۷

۲۲۔ ارسطو،ص ۴۷

۲۳۔ افلاطون سے ایلیٹ تک،ص ۲۵

۲۴۔ مغرب کے تنقیدی اصول،ص ۸۴

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ مغرب کے تنقیدی اصول،ص ۸۵

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ صالحہ عابد حسین،مرتب،انیس کے مرثیے،جلد دوم،مکتبہ عالیہ،لاہور،۱۹۸۶ء،ص ۳۰۹

۲۹۔ ایضاً،ص ۳۱۱

۳۰۔ ایضاً،ص ۳۰۸

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ ایضاً،ص ۳۱۴

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً،ص ۳۱۹

۳۵۔ ایضاً،ص ۳۲۲

۳۶۔ ایضاً،ص ۳۲۴

۳۷۔ ایضاً،

۳۸۔ ایضاً،ص ۳۲۵

۳۹۔ ایضاً،ص ۳۲۶

۴۰۔ ایضاً،ص ۳۳۳

۴۱۔ ایضاً،ص ۳۰۷

۴۲۔ ایضاً،ص ۳۲۴

۴۳۔ ایضاً،

۴۴۔ ایضاً،ص ۳۳۸

۴۵۔ ایضاً،ص ۳۰۸

۳۶۔ ایضاً،ص ۳۱۱
۳۷۔ ایضاً،ص ۳۱۳
۳۸۔ ایضاً،ص ۳۲۴
۳۹۔ ایضاً،ص ۳۲۶
۴۰۔ ایضاً،ص ۳۳۳
۴۱۔ ایضاً،ص ۳۰۷
۴۲۔ ایضاً،ص ۳۲۴
۴۳۔ ایضاً،
۴۴۔ ایضاً،ص ۳۳۸
۴۵۔ ایضاً،ص ۳۰۸
۴۶۔ ایضاً،ص ۳۱۱
۴۷۔ ایضاً،ص ۳۱۳
۴۸۔ ایضاً،ص ۳۲۴
۴۹۔ ایضاً،ص ۳۲۵
۵۰۔ ایضاً،ص ۳۲۹
۵۱۔ ایضاً،ص ۳۳۳
۵۲۔ مسعود حسین رضوی،ادیب،سید روح انیس،دیباچہ،انڈین پریس لمیٹڈ۔الہ آباد
۵۳۔ حامد حسن قادری،مولانا،مختصر تاریخ مرثیہ گوئی،اردو اکیڈمی سندھ،کراچی ۱۹۶۴،ص ۴۶
۵۴۔ شبلی نعمانی،مولانا،موازنہ انیس و دبیر،ص ۴۲
۵۵۔ مولانا حالی،مقدمہ شعر و شاعری،مرتبہ،وحید قریشی،ڈاکٹر،مکتبہ جدید لاہور،۱۹۵۳،ص ۳۶۷
۵۶۔ مراثی انیس،دوم،ص ۳۰۸
۵۷۔ ایضاً،ص ۳۰۹
۵۸۔ ایضاً،ص ۳۲۰
۵۹۔ ایضاً،ص ۳۲۰۔۳۱۸
۶۰۔ ایضاً،ص ۳۲۰
۶۱۔ ایضاً،ص ۳۳۷